مخطوطہ شناسی کا فن اور ڈاکٹر جمیل جالبی بطور مخطوطہ شناس

ڈاکٹر لیاقت علی*

Abstract:

Makhtoota is formally called a piece of paper having script into an understandable style and diction. A Makhtoota is very important in Litrary research. Literature and Lingusitics based upon the chronocal ordered research in the specific sounds, scripts and Meaning. Some people used to make a fake makhtoota for their famousity but it is very harmful for the literary research history. So to avoid this forcoming tension, there used the critical and textual instruments for judgement either Makhtoota is original or fake. This act is clled Makhtoota Shanasi. Doctor Jamil Jalbi is well known in this Makhtoota Shnasi espacially his work and research on Makhtoota of Masnavi Kadam Rao Padam Rao written four centuries earlier in Dakkan era. This Article is an eye bird view on Makhtoota Shanasi of Dr. Jalbi.

انسان ازل سے حقیقت تک پہنچنے کی جستجو میں لگا ہوا ہے۔ جن ذرائع سے اسے اپنے مقاصد تک رسائی ملی ہے، ان میں تحریر سرِ فہرست ہے۔ تحریر سے مراد ''خط'' ہے جو کہ عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی ''لکھی ہوئی چیز'' کے ہیں۔ یہ مافی الضمیر کے لفظی یا معنوی اظہار کی تصویری حالت ہے۔ انھی تصویروں کے اجتماع کو ''مخطوطہ'' کہتے ہیں۔ اس کی تعریف ڈاکٹر گیان چند جین یوں کرتے ہیں:

''ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر مخطوطہ کہلاتی ہے۔ یہ تحریر ایک صفحے پر مشتمل ہو یا ایک ہزار

* شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

صفحے پر' ایک سال پرانی ہو یا ہزار سال' کاغذ پر لکھی گئی ہو یا کھجور کی چھال پر' پتھر پر کندہ ہو یا ہڈیوں کے ٹکڑوں پر۔ بہر حال اسے تحقیق و تدوین کی زبان میں مخطوطہ کہا جائے گا۔''(۱)

کسی مخطوطے پر زمانی و مکانی تحقیق کے بعد اس کو متعارف کرانے کو مخطوطہ شناسی کہتے ہیں۔مخطوطہ شناسی اور تدوین کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں ایک نقطے پر باہم مربوط ضرور ہیں مگر نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ فنون ہیں۔ ایک تحقیق ہے اور دوسرا تنقید۔ کیوں کہ یہ دونوں کام بالعموم ایک ہی فرد بیک وقت کر رہا ہوتا ہے اس لیے دونوں فنون کو ایک فن سمجھا جانے لگتا ہے۔

مخطوطہ شناسی میں مخطوطے کی اصلیت و غیر اصلیت کا تعین کیا جاتا ہے۔اس کی بعد اس کے زمان کا اور پھر مکان کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ جوہری ایسا کام ہے۔ جب کہ تدوین متن میں منشائے مصنف کے مطابق عبارت کو قائم کرنے کی یا مخطوطے کی داخلی کیفیات کی شہادت پر مصنف کے متن تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ جڑیے ایسا کام ہے۔تدوین متن کے حوالے سے ڈاکٹر رشید حسن خان لکھتے ہیں:

''متن کو منشائے مصنف کے مطابق یا اس سے قریب ترین صورت میں پیش کرنا مقصود تدوین ہے۔''(۲)

مخطوطہ شناسی تدوین سے نسبتاً زیادہ اہم ہے کیوں کہ اس میں مخطوطے کی اصلیت کو جانا جاتا ہے۔مخطوطے کی اصلیت جاننا اس لیے ضروری ہے کہ اس کی اصلیت سے زبان کا ارتقاء جڑا ہوتا ہے۔اس سے لسانی و املائی نیز ذہنی ساختوں کا پتا لگانا ہوتا ہے اور اگر مخطوطہ جعلی ہوا اور اس کو بے تحقیق قبول کر کے نکات اخذ کر لیے جائیں تو وہ تاریخی مغالطہ بہت نقصان دہ ہے۔اس لیے کسی بھی لسانی، تاریخی اور تہذیبی مغالطے سے بچنے کے لیے مخطوطے کی اصلیت کی جانچ زیادہ اہم ہے اور اس عمل کی غرض کے لیے مخطوطہ شناسی کا فن استعمال کیا جائے گا۔مخطوطہ شناسی کے فن میں زمانی و مکانی تحقیق کے لیے پہلے خارجی اور پھر داخلی آلات و پیمانے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

''مخطوطے کے موضوعی مطالعے سے پہلے معروضی مطالعہ کیا جائے جس سے اصلیت کی جانچ میں مدد ملتی ہے۔''(۳)

مخطوطہ شناس سب سے پہلے کاغذ کی عمر کا تعین کرے گا۔اس کے لیے وہ ریڈیو گرافی سے مدد لے سکتا ہے۔اس کے بعد وہ اس کی روشنائی کی عمر کا تعین کرے گا اس کے بعد وہ رسم الخط کی زمانی و مکانی جانچ کرے گا اور اس کے بعد اسلوب زبان اور جو کچھ لکھا گیا ہے؛ اس کو پڑھے گا اور اِس تمام تشکیک آمیز مرحلے کے بعد کوئی نتیجہ دے گا جو مخطوطے کے اصل یا غیر اصل ہونے پر منتہی ہوگا۔اس کے بعد وہ تمام متنی معارض درج کرے گا۔جس میں نسخے کی ہیئت، اس کی تقطیع، مسطر، تعدادِ اوراق، خالی ورق یا صفحے، کاغذ، قلم، روشنائی، رسمِ کتابت، تزئین، مہریں، دستخط،

دریافت کی کہانی، عہد بہ عہد جائے موجودگی اور لمحۂ موجود میں اس کا مکمل پتہ لکھے گا۔ مخطوطہ شناسی کی ضرورت جن امور کے لیے پیش آسکتی ہے؛ ان کی فہرست یہ ہے:۔

۱۔ تدوینِ متن کے لیے
۲۔ اساسی نسخے کے تعین کے لیے
۳۔ مخطوطے میں جعل سازی کی پرکھ کے لیے
۴۔ مخطوطے کا عہد متعین کرنے کے لیے
۵۔ دیگر لسانی، علمی یا تحقیقی ضروریات کے لیے (۴)

مخطوطہ شناسی و مخطوطہ خوانی کے ماہرین کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں ایک معتبر حوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی کا ہے۔ ان کا کام تحقیق سے آگے کی منزل ہے۔ انھوں نے مختلف بیاضوں سے حسن شوقی کا کلام یکجا کر کے دیوان کی صورت میں ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔ اس سے پہلے حسن شوقی کی صرف تین (۰۳) غزلیں دستیاب تھیں۔ (۵) اس دیوان میں حسن شوقی کی طویل مثنوی ''فتح نامہ نظام شاہ'' اور ''میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ'' کے علاوہ تیس (۳۰) غزلیں ہیں۔ ان کا دوسرا کام ''دیوانِ نصرتی'' کی تدوین ہے جو ۱۹۷۲ء میں ہوئی لیکن ان کا سب سے اہم کارنامہ مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' ہے جو کہ ناقص الطرفین اور ناقص الوسط مخطوطہ تھا۔ اس مخطوطے کی خارجی جانچ تو ہو گئی تھی مگر اس کی داخلی جانچ بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ اس مخطوطے کی داخلی جانچ پرکھ کا تعلق متن کے معنی اور مفاہیم کے تعین سے ہے۔ کسی بھی متن کی قدر و قیمت کا تعین اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب اس کا رسم الخط پڑھا جا سکے اور پھر اس کے معنی متعین ہو سکیں لیکن یہاں پر مرحلہ دیگر تھا۔ یہاں زبان نامانوس ہونے کے ساتھ ساتھ رسم الخط بھی بہت سنجیدہ نہیں تھا۔ اس مخطوطے کی تفہیم کے لیے انھوں نے لسانی مباحث، علمِ بیان، علمِ معانی، علمِ عروض اور مختلف اصناف کی شعریات کو پڑھا۔ دکنی اساطیر کے ساتھ ساتھ رگ وید، مہا بھارت اور اسلامی تصوف کو پڑھا اور تب کہیں جا کر وہ کسی ایک لفظ کی تفہیم کے قابل ہوئے۔ مخطوطے کے املائی اور لسانی اسلوب کو جانچنے کے لیے انھیں تلفظ اور املا کے عہدی مطالعے، اسالیبِ زبان کے ارتقائی جائزے کے ساتھ ساتھ مختلف ادبی دبستانوں کے باہمی اختلاف اور انفرادی خصوصیات، تذکیر و تانیث اور متروکات کی بحثوں سے الجھنا پڑا۔ عربی، فارسی، سنسکرت پڑھی۔ ابوالفضل، ظہوری، عرفی اور نظیری کی نظم و نثر کو سمجھنے کے لیے بار بار مشق کی۔ تب کہیں چھے (۰۶) برس کے بعد وہ اس قابل ہوئے کہ اس مخطوطے کو تفہیمی دائرے میں پیش کر سکیں اور جب ۱۹۷۳ء میں مفصل مقدمے کے ساتھ مثنوی کے متن کو مخطوطے کے عکس کے ساتھ پیش کیا تو اس کے ساتھ ایک سچے محقق و مدقق نے ایک سطر لکھی:

> ''سیدھے ہاتھ کی طرف مخطوطے کے ہر صفحے کا عکس چھاپا گیا ہے۔ اور اس کے سامنے بائیں صفحے پر میرا تیار کردہ متن شائع کیا گیا ہے تاکہ اہل علم و تحقیق دونوں کا مقابلہ کر کے یہ معلوم کر سکیں کہ میں نے کہاں کہاں غلطی کی ہے اور اس طرح متن کی مزید

اصلاح ہو سکے۔''(۶)

خطِ نسخ میں کسی غیر محتاط کاتب کا لکھا ہوا یہ نسخہ مولوی عبدالحق کو ملا تھا جو کہ وقتِ تحریر تک وحید نسخہ ہے۔ دنیا میں یہ ایک ہی معلوم نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کے کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا حجم ۲.۷×۱.۵ انچ ہے۔ اس کے اوپر ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا نام مولوی عبدالحق کے ہاتھوں ہی سے لکھا ہوا ہے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ یہ مثنوی کسی طرح پڑھ لی جائے۔ انھوں نے برصغیر کے ماہرین فن کو اس کے عکس بھیجے۔ سب سے پہلے قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کو اس کام پر مامور کیا مگر وہ ناکام رہے۔(۷) پھر اس مخطوطے کو پڑھنے کے لیے سید نصیر الدین ہاشمی بھارت سے پاکستان آئے۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے انھیں پاکستانی شہریت اور مراعات دینے کا کہا گیا مگر وہ اس کو پڑھنے سے قاصر رہے۔(۸) پھر یہ کام جناب مشفق خواجہ کے کہنے پر ڈاکٹر جمیل جالبی کے ذمے لگایا گیا جو اُن کی امید پر پورے اترے اور اِس کام کو سرانجام دیا۔ مخطوطے کی زمانی و مکانی تحقیق کے لیے انھوں نے متن کی زبان کو جانچا ہے۔ اس کی خاطر انھوں نے پراکرت کی ''اُپ'' بھاشا کے ساتھ ساتھ پرانی کھڑی بولی، پنجابی اور سرائیکی زبان کے الفاظ کے برتاؤ سے مصنف کے مکان اور لمحۂ تخلیق و مقامِ تخلیق کا تعین کیا ہے۔ مصنف کا نام فخر الدین نظامی کی بجائے فخر دین نظامی ہونا اُن کے لیے تشکیک آمیز سوال ہے کیوں کہ یہ نام پنجاب کے علاقوں میں ہوتا ہے اور زبان کا اسلوب ایسا ہے کہ ایسے مقام سے تعلق ہے جہاں سرائیکی اور پنجابی کا ملاپ ہو۔ اِسی بات کی وضاحت میں وہ بہمنی سلطنت کے بادشاہ ''علاءُالدین حسن بہمن شاہ'' کی مکمل سوانح کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کے اصل وطن ''ملتان'' کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح اشکال ہے کہ فخر دین نظامی بھی اسی علاقے سے ہو۔ لمحۂ تخلیق اور مقامِ تخلیق کے لیے وہ اندرونی شواہد سے استنباط کرتے ہیں اور مثنوی میں نعتِ رسول ﷺ کے بعد ''مدح سلطان علاءُالدین'' اور دوسرے مقام پر شاہ کے ولی عہد ''احمد شاہ'' کے ذکر سے دکن اور لمحۂ تخلیق تک پہنچتے ہیں اور ''احمد شاہ'' کے عہد پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد مقامِ تخلیق پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''احمد شاہ ولی نے ۸۳۴ھ،۱۴۳۰ء میں اپنا دارالسلطنت گلبرگہ کی بجائے بیدر کو بنایا تھا۔ امکان ہے کہ یہ مثنوی بیدر میں لکھی گئی۔ اگر یہ بیدر میں لکھی گئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نظامی نے اسے ۸۳۴ھ/۱۴۳۰ء تا ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء کے درمیانی عرصہ میں تصنیف کیا۔''(۹)

زمانی و مکانی تعین کے ساتھ ساتھ انھوں نے اشعار کی تعداد (۱۰۲۳) بتائی ہے جو کہ اس سے پہلے مختلف بتائی گئی تھی۔ اس تعین کے بعد انھوں نے مثنوی کی بحر ''فعولن فعولن فعولن فعل'' برتنے پر بحث کی ہے۔ املائی اسلوب میں ک، ہ، ی، ن کے استعمال پر بھی زمانی پہلو نکالا ہے اور الفاظ کے ہجے بدلنے کی وجہ صوتی آہنگ کی مطابقت پر بات کی ہے۔ مثنوی کے نام رکھنے کی توجیح بھی بیان کی ہے۔ ان کے اس مثالی کارنامے اور تحقیقی کام کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر لکھتے ہیں:

> ''وہ تحقیق میں تنقید کے رنگ بکھیرتے ہیں اور تنقید میں تحقیق کی خوش بو کاشت کرتے ہیں ان کے ہاں تحقیق اور تنقید کی باہمی یکجائی اور ارتباط سے ایسا اسلوب اجاگر ہوتا ہے جو اپنے اندر تخلیقی شان رکھتا ہے۔''(۱۰)

الغرض ڈاکٹر جمیل جالبی نے مخطوطہ شناسی کے معیارات مقرر کر دیے ہیں اور تحقیق و تدوین کے لیے نئی راہیں کھول دی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جین، گیان چند، ڈاکٹر، ''تحقیق کا فن''، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،۱۹۹۴ء، ص ۵۶۸۔

۲۔ رشید حسن خان، ڈاکٹر، ''منشائے مصنف کا تعین''، مشمولہ ''تحقیقی شناسی''، (مرتبہ) رفاقت علی شاہد، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور،۲۰۰۳ء، ص ۲۱۷

۳۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، ''اصولِ تحقیق و ترتیبِ متن''، سنگت پبلی شرز لاہور،۲۰۰۶ء، ص ۵۳۔

۴۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، ''نئے امکانات''، سنگت پبلی شرز لاہور، جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۸۱۔

۵۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، ''پاکستان میں اردو تحقیق''، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۳۴۔

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مرتب)، ''کدم راؤ پدم راؤ''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی،۱۹۷۳ء، مقدمہ، ص ۱۱۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۸۔ جمیل الدین عالی، ''حرفے چند''، مشمولہ ''مثنوی نظامی دکنی''، (مرتبہ) ڈاکٹر جمیل جالبی، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۷۳ء، ص: ہ

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مرتب)، ''کدم راؤ پدم راؤ''، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی،۱۹۷۳ء، مقدمہ، ص ۱۶۔

۱۰۔ عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، ''ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن''، اکادمی ادبیات اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۶۷۔